



البكيد

(٩٠)

# البلد

نام | پہلی ہی آیت لَا اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ کے لفظ البلد کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔  
 زمانہ نزول | اس کا مضمون اور انداز بیان مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی سورتوں کا سا ہے، مگر ایک اشارہ اس میں ایسا موجود ہے جو پتہ دیتا ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ وہ تھا جب کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر تل گئے تھے اور آپ کے خلاف ہر ظلم و زیادتی کو انہوں نے اپنے لیے حلال کر لیا تھا۔

موضوع اور مضمون | اس سورے میں ایک بہت بڑے مضمون کو چند مختصر جملوں میں سمیٹ دیا گیا ہے اور یہ قرآن کا کمالِ ابجاز ہے کہ ایک پورا نظریہ حیات، جسے مشکل سے ایک ضخیم کتاب میں بیان کیا جاسکتا تھا، اس چھوٹی سی سورہ کے چھوٹے چھوٹے فقروں میں نہایت مؤثر طریقہ سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کا موضوع دنیا میں انسان کی، اور انسان کے لیے دنیا کی صحیح حیثیت سمجھانا اور یہ بتانا ہے کہ خدا نے انسان کے لیے سعادت اور شقاوت کے دونوں راستے کھول کر رکھ دیے ہیں، ان کو دیکھنے اور ان پر چلنے کے وسائل بھی اُسے فراہم کر دیے ہیں، اور اب یہ انسان کی اپنی کوشش اور محنت پر موقوف ہے کہ وہ سعادت کی راہ چل کر اچھے انجام کو پہنچتا ہے یا شقاوت کی راہ اختیار کر کے برے انجام سے دوچار ہوتا ہے۔

سب سے پہلے شہر مکہ اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرنے والے مصائب اور پوری اولادِ آدم کی حالت کو اس حقیقت پر گواہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ دنیا انسان کے لیے آرام گاہ نہیں ہے جس میں وہ مزے اڑانے کے لیے پیدا کیا گیا ہو، بلکہ یہاں اس کی پیدائش ہی مشقت کی حالت میں ہوئی ہے۔ اس مضمون کو اگر سورہٴ نجم کی آیت ۳۹ کَيْسَ لِلْإِنْسَانِ اِلاَّ مَا سَعَى کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا رگاہ دنیا میں انسان کے مستقبل کا انحصار اس کی سعی و کوشش اور محنت و مشقت پر ہے۔

اس کے بعد انسان کی یہ غلط فہمی دور کی گئی ہے کہ یہاں بس وہی وہ ہے اور اوپر کوئی بالاتر طاقت نہیں ہے جو اُس کے کام کی نگرانی کرنے والی اور اُس پر مواخذہ کرنے والی ہو۔

پھر انسان کے بہت سے جاہلانہ اخلاقی تصورات میں سے ایک چیز کو بطور مثال لے کر بتایا گیا ہے کہ دنیا میں اُس نے بڑائی اور فضیلت کے کیسے غلط معیار تجویز کر رکھے ہیں۔ جو شخص اپنی کبر بانی کی نمائش کے لیے ڈھیروں مال لٹاتا ہے وہ خود بھی اپنی ان شاہِ خمر چیروں پر فخر کرتا ہے اور لوگ بھی اسے خوب داد

دیتے ہیں، حالانکہ جو ہستی اُس کے کام کی نگرانی کر رہی ہے وہ یہ دیکھتی ہے کہ اُس نے یہ مال کن طریقوں سے حاصل کیا اور کن راستوں میں کس نیت اور کن اغراض کے لیے خرچ کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو علم کے ذرائع اور سوچنے بگھننے کی صلاحیتیں دے کر اُس کے سامنے بھلائی اور برائی کے دونوں راستے کھول کر رکھ دیے ہیں۔ ایک راستہ وہ ہے جو اخلاق کی پستیوں کی طرف جاتا ہے اور اُس پر جانے کے لیے کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی بلکہ نفس کو خوب لذت حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا راستہ اخلاق کی بلند یوں کی طرف جاتا ہے جو ایک دشوار گزار گھاٹی کی طرح ہے کہ اُس پر چلنے کے لیے آدمی کو اپنے نفس پر عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ اس گھاٹی پر چڑھنے کی یہ نسبت کھڑی نہیں کر سکتے کہ توجیح دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے جس سے گزر کر آدمی بلند یوں کی طرف جاسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ریا اور فخر اور نمائش کے خرچ چھوڑ کر آدمی اپنا مال یتیموں اور مسکینوں کی مدد پر خرچ کرے، اللہ اور اس کے دین پر ایمان لائے، اور ایمان لانے والوں کے گروہ میں شامل ہو کر ایک ایسے معاشرے کی تشکیل میں حصہ لے جو صبر کے ساتھ حق پرستی کے تقاضوں کو پورا کرنے والا اور خلق پر رحم کھانے والا ہو۔ اس راستے پر چلنے والوں کا انجام یہ ہے کہ آدمی اللہ کی رحمتوں کا مستحق ہو، اور اس کے برعکس دوسرا راستہ اختیار کرنے والوں کا انجام دوزخ کی آگ ہے جس سے نکلنے کے سارے دروازے بند ہیں۔

آيَاتُهَا ۲۰

## سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۱ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ۲ وَوَالِدٍ  
وَمَا وَلَدٌ ۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۴ أَيَحْسَبُ  
أَنْ لَّنْ يَفْقِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۵ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَا لَا لُبَدًا ۶

نہیں، میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور حال یہ ہے کہ (اسے نبی) اس شہر میں تم کو حلال کر لیا گیا ہے اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اس اولاد کی جو اس سے پیدا ہوئی اور حقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کیا اُس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اُس پر کوئی قابو نہ پاسکے گا؟ کتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔

۱۔ اس سے پہلے ہم سورۃ قیامہ حاشیہ نمبر ۱ میں اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ کلام کا آغاز ”نہیں“ سے کرنا اور پھر قسم کھا کر آگے کی بات شروع کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ لوگ کوئی غلط بات کہہ رہے تھے جس کی تردید کرنے ہوئے فرمایا گیا کہ نہیں، بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھے بیٹھے ہو، بلکہ میں فلاں فلاں چیزوں کی قسم کھاتا ہوں کہ اصل بات یہ ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ بات کیا تھی جس کی تردید میں یہ کلام نازل ہوا، تو اُس پر بعد کا مضمون خود دلالت کر رہا ہے۔ کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ ہم جس طرز زندگی پر چل رہے ہیں اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، دنیا کی زندگی بس یہی کچھ ہے کہ کھاؤ پیو، مزرے اڑاؤ اور جب وقت آئے تو مر جاؤ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خواہ مخواہ ہمارے اس طرز زندگی کو غلط ٹھہرا رہے ہیں اور ہمیں ڈرا رہے ہیں کہ اس پر کبھی ہم سے باز پرس ہوگی اور ہمیں جزا و سزا سے سابقہ پیش آئے گا۔

۲۔ یعنی شہر مکہ کی۔ اس مقام پر یہ بات کھولنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس شہر کی قسم کیوں کھائی جا رہی ہے۔ اہل مکہ اپنے شہر کا پس منظر خود جانتے تھے کہ کس طرح ایک بے آب دگیاہ وادی میں سُنسان پہاڑوں کے درمیان حضرت ابراہیم نے اپنی ایک بیوی اور ایک شیر خوار بچے کو یہاں لاکر بے سہارا چھوڑا، کس طرح یہاں ایک گھر بنا کر ایسی حالت میں حج کی منادی کی جب کہ دور دور تک کوئی اُس منادی کا سننے والا نہ تھا، اور پھر کس طرح یہ شہر آخر کار تمام عرب کا مرکز بنا اور ایسا حرم قرار پایا کہ صد ہا برس تک عرب کی سر زمین بے آئین میں اس کے سوا امن کا کوئی مقام نہ تھا۔

۳۔ اصل الفاظ ہیں أَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ۔ اس کے تین معنی مفسرین نے بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور آپ کے مقیم ہونے سے اس کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ یہ شہر

حرم ہے مگر ایک وقت اٹے کا جب کچھ دیر کے لیے یہاں جنگ کرنا اور دشمنانِ دین کو قتل کرنا آپ کے لیے حلال ہو جائے گا۔ تیسرے یہ کہ اس شہر میں جنگل کے جانوروں تک کو مارنا اور درختوں تک کو کاٹنا اہل عرب کے نزدیک حرام ہے اور ہر ایک کو یہاں امن میسر ہے، لیکن حال یہ ہو گیا ہے کہ اسے نبی، تمہیں یہاں کوئی امن نصیب نہیں تمہیں ستانا اور تمہارے قتل کی تدبیریں کرنا حلال کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ الفاظ میں تینوں معنوں کی گنجائش ہے، لیکن جب ہم آگے کے مضمون پر غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ پہلے دو معنی اُس سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے اور تیسرا مفہوم ہی اُس سے میل کھاتا ہے۔

**۱۷** چونکہ مطلقاً باپ اور اُس سے پیدا ہونے والی اولاد کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور آگے انسان کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے باپ سے مراد آدم علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں، اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد سے مراد وہ تمام انسان ہیں جو دنیا میں پائے گئے ہیں، اب پائے جاتے ہیں اور آئندہ پائے جائیں گے۔

**۱۸** یہ ہے وہ بات جس پر وہ قسمیں کھائی گئی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ انسان کے حشقت میں پیدا کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں مزے کرنے اور چین کی بنسری بجانے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے بلکہ اُس کے لیے یہ دنیا محنت اور مشقت اور سختیاں جھیلنے کی جگہ ہے اور کوئی انسان بھی اس حالت سے گزرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ شہر مکہ گواہ ہے کہ کسی اللہ کے بندے نے اپنی جان کھپائی تھی نبی یہ بسا اور عرب کا مرکز بنا۔ اس شہر مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت گواہ ہے کہ وہ ایک مقصد کے لیے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں، حتیٰ کہ یہاں جنگل کے جانوروں کے لیے امان ہے مگر اُن کے لیے نہیں ہے۔ اور ہر انسان کی زندگی ماں کے پیٹ میں نطفہ قرار پانے سے لے کر موت کے آخری سانس تک اس بات پر گواہ ہے کہ اُس کو قدم قدم پر تکلیف، مشقت، محنت، خطرات اور شدائد کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جس کو تم بڑی سے بڑی قابلِ رشک حالت میں دیکھتے ہو وہ بھی جب ماں کے پیٹ میں تھا تو ہر وقت اس خطرے میں مبتلا تھا کہ اندر ہی مر جائے یا اس کا اسقاط ہو جائے۔ نہ چلنے کے وقت اُس کی موت اور زندگی کے درمیان بال بھر سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ پیدا ہوا تو اتنا بے بس تھا کہ کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہوتا تو پڑے پڑے ہی سسک سسک کر مر جاتا۔ چلنے کے قابل ہوا تو قدم قدم پر گرا پڑتا تھا۔ بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک ایسے ایسے جسمانی تغیرات سے اس کو گزرنا پڑا کہ کوئی تغیر بھی اگر غلط سمت میں ہو جاتا تو اس کی جان کے لالے پڑ جاتے۔ وہ اگر بادشاہ یا ڈکٹیٹر بھی ہے تو کسی وقت اس اندیشے سے اُس کو چین نصیب نہیں ہے کہ کہیں اس کے خلاف کوئی سازش نہ ہو جائے۔ وہ اگر فاتح عالم بھی ہے تو کسی وقت اس خطرے سے امن میں نہیں ہے کہ اس کے اپنے سپہ سالاروں میں سے کوئی بغاوت نہ کر بیٹھے۔ وہ اگر اپنے وقت کا قارون بھی ہے تو اس فکر میں ہر وقت غلطاں و پیچاں ہے کہ اپنی دولت کیسے بڑھائے اور کس طرح اس کی حفاظت کرے۔ غرض کوئی شخص بھی بے غل و غش چین کی نعمت سے بہرہ مند نہیں ہے، کیونکہ انسان پیدا ہی مشقت میں کیا گیا ہے۔

**۱۹** یعنی کیا یہ انسان جو ان حالات میں گھرا ہوا ہے، اس غم سے بین مبتلا ہے کہ وہ دنیا میں جو کچھ چاہے کرے،

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهُ اَحَدٌ اَلَمْ يَجْعَلْ لَهٗ عَيْنَيْنِ ۝۵ وَلِسَانًا

کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اُس کو نہیں دیکھا، کیا ہم نے اُسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو

کوئی بالآخر اقتدار اُس کو کپڑنے اور اس کا سر نیچے کر دینے والا نہیں ہے؟ حالانکہ آخرت سے پہلے خود اس دنیا میں بھی ہر آن وہ دیکھ رہا ہے کہ اُس کی تقدیر پر کسی اور کی فرمانروائی قائم ہے جس کے فیصلوں کے آگے اس کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ زلزلے کا ایک جھٹکا، ہوا کا ایک طوفان، دریاؤں اور سمندروں کی ایک طغیانی اُسے یہ بتا دینے کے لیے کافی ہے کہ خدائی طاقتوں کے مقابلے میں وہ کتنا بل بوتہ رکھتا ہے۔ ایک اچانک حادثہ اچھے خاصے بھلے چنگے انسان کو اپاہج بنا کر رکھ دیتا ہے۔ تقدیر کا ایک پٹا بڑے سے بڑے بااقتدار آدمی کو عرش سے فرش پر لا گراتا ہے۔ عروج کے آسمان پر پہنچی ہوئی قوموں کی قسمیں جب بدلتی ہیں تو وہ اُسی دنیا میں ذلیل خوار ہو کر رہ جاتی ہیں جہاں کوئی اُن سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اس انسان کے دماغ میں آخر کہاں سے یہ ہوا بھر گئی کہ کسی کا اس پر یس نہیں چل سکتا؟

۵۴ اَنْفَقْتُ مَالًا لَّيْسًا "میں نے ڈھیر سا مال خرچ کر دیا" نہیں کہا بلکہ اَهْلَكْتُ مَالًا لَّيْسًا کہا جس کے لفظی معنی ہیں "میں نے ڈھیر سا مال ہلاک کر دیا" یعنی ٹھادیا، بیاڑا دیا۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ کینے والے کو اپنی مال داری پر کتنا غر تھا کہ جو ڈھیر سا مال اُس نے خرچ کیا وہ اُس کی مجموعی دولت کے مقابلے میں اتنا ہی تھا کہ اس کے ٹھادینے یا اڑا دینے کی اُسے کوئی پروا نہ تھی۔ اور یہ مال اڑا دینا تھا کس مدینے؟ کسی حقیقی نیکی کے کام میں نہیں، جیسا کہ آگے کی آیات سے خود بخود مترشح ہوتا ہے، بلکہ اپنی دولت مندی کی نمائش اور اپنے فخر اور اپنی بڑائی کے اظہار میں۔ قصیدہ گو شاعروں کو بھاری انعامات دینا۔ شادی اور غمی کی رسموں میں سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی دعوت کر ڈالنا۔ جوے میں ڈھیروں دولت ہار دینا۔ جو اجیت جانے پر اونٹ پر اونٹ کاٹنا اور خوب یار دوستوں کو کھلانا۔ میلوں میں بڑے لاڈلے کے ساتھ جانا اور دوسرے سرداروں سے بڑھ کر شان و شوکت کا مظاہرہ کرنا۔ تقریبات میں بے تماشا کھانے پکوانا اور اذن عام دے دینا کہ جس کا جی چاہے آٹے اور کھانے، یا اپنے ڈیرے پر کھلانگہ جاری رکھتا کہ۔ درود تک یہ شہرت ہو جائے کہ فلاں رئیس کا دسترخوان بڑا وسیع ہے۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے نمائشی اخراجات تھے جنہیں جاہلیت میں آدمی کی نیاضی اور فراخ دلی کی علامت اور اس کی بڑائی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ انہی پر ان کی تعریفوں کے ڈنکے بجاتے تھے۔ انہی پر ان کی مدح کے قصیدے پڑھے جاتے تھے۔ اور وہ خود بھی ان پر دوسروں کے مقابلے میں اپنا فخر جتاتے تھے۔

۵۵ یعنی کیا یہ فخر جتانے والا یہ نہیں سمجھتا کہ ادھر کوئی خدا بھی ہے جو دیکھ رہا ہے کہ کن ذرائع سے اس نے یہ دولت حاصل کی، کن کاموں میں اسے کھپایا، اور کس نیت، کن اغراض اور کن مقاصد کے لیے اس نے یہ سارے کام کیے؟ کیا وہ سمجھتا ہے کہ خدا کے ہاں اس فضول خرچی، اس شہرت طلبی اور اس تفاخر کی کوئی قدر ہوگی؟ کیا

وَشَفَتَيْنِ ۹ وَهَدَيْنَهُ النَّجْدَيْنِ ۱۰ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۱۱  
 وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۱۲ فَكُرْبَةَ ۱۳ أَوِ اطْعَمْتُ فِي يَوْمٍ ذِي  
 مَسْعَبَةٍ ۱۴ تَيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۱۵ أَوْ مَسَكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۱۶ ثُمَّ

ہونٹ نہیں دئیے، اور دونوں نمایاں راستے اُسے نہیں دکھا دیئے، مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے  
 گزرنے کی ہمت نہ کی۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا،  
 یا فاتحے کے دن کسی قریبی تیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ پھر اس کے ساتھ یہ کہ

اس کا خیال ہے کہ دنیا کی طرح خدا بھی اس سے دھوکا کھا جائے گا؟

۹ مطلب یہ ہے کہ کیا ہم نے اُسے علم اور عقل کے ذرائع نہیں دیے؟ دو آنکھوں سے مراد گائے بھینس کی  
 آنکھیں نہیں بلکہ وہ انسانی آنکھیں ہیں جنہیں کھولی کر آدمی دیکھے تو اُسے ہر طرف وہ نشانات نظر آئیں جو حقیقت کا  
 پتہ دیتے ہیں اور صحیح و غلط کا فرق سمجھاتے ہیں۔ زبان اور ہونٹوں سے مراد محض بولنے کے آلات نہیں ہیں بلکہ نفس  
 ناطقہ ہے جو ان آلات کی پشت پر سوچنے سمجھنے کا کام کرتا ہے اور پھر ان سے اظہار مافی الضمیر کا کام لیتا ہے۔

۱۰ یعنی ہم نے محض عقل و فکر کی طاقتیں عطا کر کے اسے چھوڑ نہیں دیا کہ اپنا راستہ خود تلاش کرے، بلکہ  
 اس کی رہنمائی بھی کی اور اس کے سامنے بھلائی اور برائی، نیکی اور بدی کے دونوں راستے نمایاں کر کے رکھ دیے تاکہ  
 وہ خوب سوچ سمجھ کر ان میں سے جس کو چاہے اپنی ذمہ داری پر اختیار کرے۔ یہ وہی بات ہے جو سورہ دھر میں فرمائی  
 گئی ہے کہ ہم نے انسان کو ایک مخلوق نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے  
 اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اُسے راستہ دکھا دیا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا (آیات ۲-۳)۔ تشریح کے لیے ملاحظہ  
 ہو تفسیر القرآن، جلد ششم، الدرر، حواشی ۳ تا ۵۔

۱۱ اصل الفاظ میں فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ۔ اِقْتَحَمَ کے معنی ہیں اپنے آپ کو کسی سخت اور مشقت طلب کام  
 میں ڈالنا۔ اور عَقَبَةُ اُس دشوار گزار راستے کو کہتے ہیں جو بلندی پر جانے کے لیے پہاڑوں میں سے گزرتا ہے۔ پس آیت کا  
 مطلب یہ ہے کہ دو راستے جو ہم نے اُسے دکھائے ان میں سے ایک بلندی کی طرف جاتا ہے مگر مشقت طلب اور دشوار  
 گزار ہے۔ اُس میں آدمی کو اپنے نفس اور اس کی خواہشوں سے اور شیطان کی ترغیبات سے بڑھ کر چلنا پڑتا ہے۔ اور دوسرا  
 آسان راستہ ہے جو کھدوں میں اترتا ہے، مگر اس سے پستی کی طرف جانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ بس اپنے  
 نفس کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دینا کافی ہے، پھر آدمی خود نشیب کی طرف روکتا چلا جاتا ہے۔ اب یہ آدمی جس کو ہم نے دونوں  
 راستے دکھا دیئے تھے، اس نے اُن میں سے پستی کی جانب جانے والے راستے کو اختیار کر لیا اور اُس مشقت طلب راستے

کو چھوڑ دیا جو بندہ کی طرف جانے والا ہے۔

**گلام** اور پرچونکہ اُس کی فضول خرم جیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنی بڑائی کی نمائش اور لوگوں پر اپنا فخر جتانے کے لیے کرتا ہے۔ اس لیے اب اس کے مقابلے میں بتایا گیا ہے کہ وہ کونسا خرچ اور ملل کا کونسا مصرف ہے جو اخلاق کی پستیوں میں گرانے کے بجائے آدمی کو بندہ یوں کی طرف لے جاتا ہے، مگر اُس میں نفس کی کوئی لذت نہیں ہے بلکہ آدمی کو اس کے لیے اپنے نفس پر جبر کر کے ایثار اور قربانی سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ خرچ یہ ہے کہ آدمی کسی غلام کو خود آزاد کرے، یا اس کی مالی مدد کرے تاکہ وہ اپنا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کرے، یا کسی غریب کی گردن قرض کے جال سے نکالے، یا کوئی بے وسیلہ آدمی اگر کسی نادان کے بوجھ سے لگ گیا ہو تو اس کی جان اُس سے چھڑائے۔ اسی طرح وہ خرچ یہ ہے کہ آدمی بھوک کی حالت میں کسی قریبی یتیم (یعنی رشتہ دار یا پڑوسی یتیم) اور کسی ایسے بے کس محتاج کو کھانا کھلائے جسے غربت و افلاس کی شدت نے خاک میں ملا دیا ہو اور جس کی دستگیری کرنے والا کوئی نہ ہو۔ ایسے لوگوں کی مدد سے آدمی کی شہرت کے ڈنکے تو نہیں بچتے اور نہ ان کو کھلا کر آدمی کی دولت مندی اور دیادلی کے وہ چہرے ہوتے ہیں جو ہزاروں کھاتے پیتے لوگوں کی شاندار دعوتیں کرنے سے ہوا کرتے ہیں، مگر اخلاق کی بندہ یوں کی طرف جانے کا راستہ اسی دشوار گزار گھاٹی سے ہو کر گزرتا ہے۔

ان آیات میں نیکی کے جن کاموں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے بڑے فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً قَدْ رَقِبْتُ (گردن چھڑانے) کے بارے میں حضور کی بکثرت احادیث روایات میں نقل ہوئی ہیں جن میں سے ایک حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت ہے کہ حضور نے فرمایا جس شخص نے ایک مومن غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اُس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے شخص کے ہر عضو کو دوزخ کی آگ سے بچا لے گا، ہاتھ کے بدلے میں ہاتھ، پاؤں کے بدلے میں پاؤں، شرمگاہ کے بدلے میں شرمگاہ، دُستِ احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) نے اس حدیث کے راوی سعد بن مرجانہ سے پوچھا کیا تم نے ابو ہریرہ سے یہ حدیث خود سنی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس پر امام زین العابدین نے اپنے سب سے زیادہ قیمتی غلام کو بلایا اور اسی وقت اسے آزاد کر دیا۔ مسلم میں بیان کیا گیا ہے کہ اس غلام کے لیے اُن کو دس ہزار درہم قیمت مل رہی تھی۔ امام ابو حنیفہ اور امام شعبی نے اسی آیت کی بنا پر کہا ہے کہ غلام آزاد کرنا صدقے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر صدقے پر مقدم رکھا ہے۔

مساکین کی مدد کے فضائل بھی حضور نے بکثرت احادیث میں ارشاد فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا التَّاسِعِي عَلَى الرَّمْلَةِ وَالْمَسْكِينِ كَالسَّاعِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاحِسَبَةُ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْزُوكَ الصَّائِمُ لَا يَفْطُرُ" بیوہ اور مسکین کی مدد کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسے جہاد فی سبیل اللہ میں دوڑ دھوپ کرنے والا۔ اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ ایسا ہے جیسے وہ شخص جو نماز میں کھڑا رہے اور آرام نہ لے اور وہ جو پے درپے روزے رکھے اور کبھی روزہ



## كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالرَّحْمَةِ ۝۱۴

آدمی اُن لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا پر) رحم کی تلقین کی۔

نہ چھوڑے (بخاری و مسلم)۔

یتامی کے بارے میں تو حضور کے بے شمار ارشادات ہیں۔ حضرت سہل بن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور وہ شخص جو کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار یتیم کی کفالت کرے، جنت میں اس طرح ہوں گے۔ یہ فرما کر آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو اٹھا کر دکھایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا (بخاری)۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے نیک سلوک ہو رہا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے برا سلوک ہو رہا ہو“ (ابن ماجہ۔ بخاری فی الادب المفرد)۔ حضرت ابوالامامہ کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ”جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور محض اللہ کی خاطر پھیرا اُس نیچے کے ہر باں کے بدلے جس پر اس شخص کا ہاتھ گزرا اُس کے لیے نیکیاں لکھی جائیں گی، اور جس نے کسی یتیم کو یا لڑکی کے ساتھ نیک برتاؤ کیا وہ اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اور یہ فرما کر حضور نے اپنی دو انگلیاں ملا کر بتائیں (مسند احمد۔ ترمذی)۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ سرکارِ سالتماب نے ارشاد فرمایا ”جس نے کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پینے میں شامل کیا اللہ نے اس کے لیے جنت واجب کر دی الایہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ نہ کرے جیسا جو جو معات نہیں کیا جاسکتا“ (شرح الشیخ)۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرا دل سخت ہے۔ حضور نے فرمایا ”یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلا“ (مسند احمد)۔

**۱۴** یعنی ان اوصاف کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ آدمی مومن ہو، کیونکہ ایمان کے بغیر نہ کوئی عمل صالح ہے اور نہ اللہ کے ہاں وہ مقبول ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر اس کی تصریح کی گئی ہے کہ نیکی وہی قابلِ قدر اور ذریعہ نجات ہے جو ایمان کے ساتھ ہو۔ مثلاً سورہ نساء میں فرمایا جو نیک اعمال کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور ہو وہ مومن، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے“ (آیت ۱۲۴)۔ سورہ نحل میں فرمایا ”جو نیک عمل کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور ہو وہ مومن، تو ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ایسے لوگوں کو اُن کا اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق عطا کریں گے“ (آیت ۹۷)۔ سورہ مومن میں فرمایا ”اور جو نیک عمل کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور ہو وہ مومن، ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، وہاں اُن کو بے حساب رزق دیا جائے گا“ (آیت ۴۰)۔ قرآن پاک کا جو شخص بھی مطالعہ کرے گا وہ یہ دیکھے گا کہ اس کتاب میں جہاں بھی عمل صالح کے اجراء اور اس کی جزائے خیر کا ذکر کیا گیا ہے وہاں نازنا اُس کے ساتھ ایمان کی شرط لگی ہوئی ہے۔ عمل بلا ایمان کو کہیں بھی خدا کے ہاں مقبول نہیں قرار دیا گیا ہے اور نہ اس پر کسی اجر کی امید دلائی گئی ہے۔

اس مقام پر یہ اہم نکتہ بھی نگاہ سے مخفی نہ رہنا چاہیے کہ آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ ”پھر وہ ایمان لایا“ بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ”پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے“ اس کے معنی یہ ہیں کہ محض ایک فرد کی حیثیت سے اپنی جگہ ایمان لا کر رہ جانا مطلوب نہیں ہے، بلکہ مطلوب یہ ہے کہ ہر ایمان لانے والا ان دوسرے لوگوں کے ساتھ مل جائے جو ایمان لائے ہیں تاکہ اس سے اہل ایمان کی ایک جماعت بنے، ایک مومن معاشرہ وجود میں آئے، اور اجتماعی طور پر ان بھلائیوں کو قائم کیا جائے جن کا قائم کرنا، اور ان برائیوں کو مٹایا جائے جن کا مٹانا ایمان کا تقاضا ہے۔

**۱۷** یہ مومن معاشرے کی دو اہم خصوصیات ہیں جن کو دو مختصر فقروں میں بیان کر دیا گیا ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کے افراد ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں۔ اور دوسری یہ کہ وہ ایک دوسرے کو رحم کی تلقین کریں۔

جہاں تک صبر کا تعلق ہے، ہم اس سے پہلے بار بار اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ قرآن مجید جس وسیع مفہوم میں اس لفظ کو استعمال کرتا ہے اُس کے لحاظ سے مومن کی پوری زندگی صبر کی زندگی ہے، اور ایمان کے راستے پر قدم رکھتے ہی آدمی کے صبر کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ خدا کی فرض کردہ عبادتوں کے انجام دینے میں صبر درکار ہے۔ خدا کے احکام کی اطاعت و پیروی میں صبر کی ضرورت ہے۔ خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنا صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اخلاق کی برائیوں کو چھوڑنا اور پاکیزہ اخلاق اختیار کرنا صبر چاہتا ہے۔ قدم قدم پر گناہوں کی ترغیبات سامنے آتی ہیں جن کا مقابلہ صبر ہی سے ہو سکتا ہے۔ بے شمار مواقع زندگی میں ایسے پیش آتے ہیں جن میں خدا کے قانون کی پیروی کی جائے تو نقصانات، تکالیف، مصائب، اور محرومیوں سے سابقہ پڑتا ہے اور اس کے برعکس نافرمانی کی راہ اختیار کی جائے تو فائدے اور لذتیں حاصل ہوتی نظر آتی ہیں۔ صبر کے بغیر ان مواقع سے کوئی مومن بچریت نہیں گزر سکتا۔ پھر ایمان کی راہ اختیار کرتے ہی آدمی کو اپنے نفس اور اس کی خواہشات سے لے کر اپنے اہل و عیال، اپنے خاندان، اپنے معاشرے، اپنے ملک و قوم، اور دنیا بھر کے شیا طین جن و انس کی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ راہ خدا میں ہجرت اور جہاد کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ ان سب حالات میں صبر ہی کی صفت آدمی کو ثابت قدم رکھ سکتی ہے۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ ایک ایک مومن اکیلا اکیلا اس شدید امتحان میں پڑ جائے تو ہر وقت شکست کھا جانے کے خطرے سے دوچار ہو گا اور مشکل ہی سے کامیاب ہو سکے گا۔ بخلاف اس کے اگر ایک مومن معاشرہ ایسا موجود ہو جس کا ہر فرد خود بھی صابر ہو اور جس کے سارے افراد ایک دوسرے کو صبر کے اس ہمہ گیر امتحان میں سہارا بھی دے رہے ہوں تو کامرانیاں اُس معاشرے کے قدم چوبہ میں گی۔ پدری کے مقابلے میں ایک بے پناہ طاقت پیدا ہو جائے گی۔ انسانی معاشرے کو بھلائی کے راستے پر لانے کے لیے ایک زبردست لشکر تیار ہو جائے گا۔

دہا رحم، تو اہل ایمان کے معاشرے کی امتیازی نشان ہی ہے کہ وہ ایک سنگدل، بے رحم اور ظالم معاشرہ نہیں ہوتا بلکہ انسانیت کے لیے رحیم و شفیق اور آپس میں ایک دوسرے کا ہمدرد و مخوار معاشرہ ہوتا ہے۔ فرد کی حیثیت سے بھی ایک مومن اللہ کی شان رحیمی کا مظہر ہے، اور جماعت کی حیثیت سے بھی مومنوں کا گروہ خدا کے اُس رسول کا نمائندہ ہے جس کی تعریف میں فرمایا گیا ہے کہ **دَمَّآرَزَسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ** (الانبیاء-۱۰۶)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑھ کر جس بلند اخلاقی صفت کو اپنی امت میں فروغ دینے کی کوشش فرمائی ہے وہ یہی رحم کی صفت ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے حسب ذیل ارشادات ملاحظہ ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہ میں اس کی کیا اہمیت تھی۔ حضرت جریر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یرحمہ اللہ من لا یرحمہ الناس  
اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم  
(بخاری - مسلم) نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:

الراحمون یرحمہم الرحمن۔ ارحموا من فی  
الارض یرحمکم من فی السماء۔ (ابوداؤد ترمذی)  
رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے۔ زمین والوں  
پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

حضرت ابو سعید خدری حضور کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

من لا یرحمہ لا یرحمہ۔ (بخاری فی الادب المفرد)  
جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

امین عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر  
کبیرنا۔ (ترمذی)  
وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے  
پر رحم نہ کھائے اور ہمارے بڑے کی توقیر نہ کرے۔

ابوداؤد نے حضور کے اس ارشاد کو حضرت عبداللہ بن عمرو کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے:

من لم یرحم صغیرنا و یعرف حق کبیرنا  
فلیس منا۔  
جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھایا اور  
ہمارے بڑے کا حق نہ پہچانا وہ ہم میں سے  
نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالقاسم صادق و مصدق صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:  
لا تنزع الواحۃ الا من شقی (مسند احمد ترمذی)  
بدبخت آدمی کے دل ہی سے رحم سلب کر لیا جاتا ہے۔

حضرت عیاض بن حمار کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا تین قسم کے آدمی جلتی ہیں۔ ان میں سے ایک:  
رجل رحیم رقیق القلب لکل ذی قرینی و  
مسلم۔  
وہ شخص ہے جو ہر رشتہ دار اور ہر مسلمان کے لیے  
رحیم اور رقیق القلب ہو۔ (مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تری المؤمنین و تراحمہم و توادہم و  
تعاطفہم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوًا نادی  
لہ سائر الجسد بالسہر و الحشی۔  
تم مومنوں کو آپس کے رحم اور محبت اور ہمدردی  
کے معاملہ میں ایک جسم کی طرح پاؤ گے کہ اگر ایک  
عضو میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی خاطر

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَيُّهَا هُمْ  
أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ ۝

یہ لوگ ہیں دائیں بازو والے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا وہ بائیں بازو  
والے ہیں، ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔

(بخاری و مسلم) بے خورانی اور بخاری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً۔  
مومن دوسرے مومن کے لیے اُس دیوار کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر حضور کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا  
يُسلمه ومن كان في حاجة أخيه  
كان الله في حاجته ومن فرح عن  
مسلم كرمية فرح الله عنه كرمية من  
كربات يوم القيامة ومن ستر مسلماً  
ستره الله يوم القيامة

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے  
نہ اس کی مدد سے باز رہتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی  
کی کسی حاجت کو پورا کرنے میں لگا ہو گا اللہ اس  
کی حاجت پوری کرنے میں لگ جائے گا۔ اور جو  
شخص کسی مسلمان کو کسی مصیبت سے نکالے گا اللہ  
تعالیٰ اسے روز قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی  
مصیبت سے نکال دے گا، اور جو شخص کسی مسلمان  
کی عیب پوشی کرے گا اللہ قیامت کے روز اس  
کی عیب پوشی کرے گا۔

(بخاری و مسلم)

ان ارشادات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ نیک اعمال کرنے والوں کو ایمان لانے کے بعد اہل ایمان کے گروہ  
میں شامل ہونے کی جو ہدایت قرآن مجید کی اس آیت میں دی گئی ہے اُس سے کس قسم کا معاشرہ بنانا مقصود ہے۔

۱۵ دائیں بازو اور بائیں بازو کی تشریح ہم سورہ واقعہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن، جلد

پنجم، الواقعہ ہواشی ۵-۶۔

۱۶ یعنی آگ اس طرح اُن کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی کہ اُس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔